شہر و بیاباں

خلیل جبران

شہر و بیاباں

رجسٹرڈ
علی
برادرز

شہر و بیاباں

(خلیل جبران خلیل)

(ترجمہ)
اقبال کاردار

رجسٹرڈ
پبلشرز۔ بک سیلرز
۱۱۷۔ ذوالقرنین چیمبرز، گنپت روڈ، چوک اردو بازار لاہور

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

بار اوّل ———— ۱۹۷۵ء

ناشر ———— سیّد محمد اطہر نقوی

اہتمام ———— ریاض الدین احمد

مطبع ———— منظور پریس لاہور

قیمت ———— ۷/۵۰ روپے

انتساب

رِگ ویدَ کے

گمنام شاعروں کے نام ——!

اقبال کاردار

اقتباس

اگر زندگی کے شب و روز
میرے ہاتھوں میں دے دیے جائیں
تو میں انہیں
جنگل میں بکھیر دوں گا
لیکن زندگی نے میرے لیے
وہ راستہ بند کر دیا ہے
جو جنگل کی طرف جاتا ہے۔

جبران

گرمی

آ، میری محبوبہ! کھیت میں چلیں۔

فصل کاٹنے کا زمانہ آ گیا ہے۔ کھیتی اپنے شباب پر ہے

سورج کے عشق کی حرارت نے، جو اسے فطرت سے ملی ہے فصل کو اچھی طرح پکا دیا ہے

آ، اس سے پہلے کہ پرندے وہاں پہنچ کر ہماری محنت کو خاک میں ملا دیں اور قطار اندر قطار چیونٹیاں ہماری زمین پر قبضہ کرلیں

آ، ہم زمین کے پھل چنیں، جس طرح ہماری روح نے وفا کے بیجوں سے ـ جنہیں محبت نے ہمارے دل کی گہرائیوں میں بویا تھا ـــ نیک بختی کے دانے چنے ہیں۔ اور عناصر کے باہمی اختلاط کے نتیجہ ـــ پیداوار ـــ سے اپنے خزانے بھر لیں۔ جس طرح زندگی نے ہمارے جذبات کے پیمانے کو بھرا ہے۔

آ، میری محبوبہ! ہم آسمان کو اپنا اوڑھنا اور گھاس کو اپنا بچھونا بنائیں مٹھی بھر پھولوں کو تکیہ بنا کر سرہانے رکھیں، اور وادی میں بہتی ہوئی ندی کی کہانیوں سے دن بھر کی تکان دور کرلیں۔

(بجیلی)

حرفِ آغاز

"شہر و بیاباں"، جبران خلیل جبرآن کی ایک طویل نظم "المواکب" کا ترجمہ ہے اس منظوم مکالمے میں جبرآن نے دیہاتی اور شہری زندگی، خیر و شر اور سادگی اور تصنع کا خیال آفریں تقابل پیش کیا ہے۔ "الشیخ"، متمدن شہری معاشرے کا نمائندہ اور "الفتیٰ"، تصنع سے پاک دیہاتی زندگی کا نمائندہ ہے۔ ایک جہاں دیدہ بوڑھا اور دوسرا نوجوان ہے۔ بوڑھا زندگی کو اپنے تجربات اور مشاہدات کی روشنی میں پیش کرتا ہے جب کہ نوجوان اسے اپنے نقطۂ نظر سے بیان کرتا ہے۔ بوڑھا شہر کا نمائندہ اور نوجوان جنگل کا نمائندہ ہے۔ شہر کو جبرآن، تصنع اور جنگل کو سادگی سے تعبیر کرتا ہے۔

بوڑھا، شہری زندگی کی آسائشوں، رنگینیوں اور رفعتوں کا ذکر بڑے فخر و انبساط سے کرتا ہے اور اس بات پہ مُصر ہے کہ نوجوان بھی دیہاتی زندگی کو خیرباد کہہ کے اس کا ہم نوا ہو جائے، لیکن نوجوان کو اس کے نظریات سے اختلاف ہے اور وہ شہری زندگی کی اُن برائیوں، غلاظتوں اور مکر و فریب کو بیان کرتا ہے جو بوڑھے کو نظر نہیں آتا۔ اس کے بعد وہ دیہاتی زندگی کے حسن و رعنائی اور سادگی کی منظر کشی کرتا ہے ـــــ ساری نظم دونوں کے متضاد نظریات کا حسین مرقع ہے۔

پیرِ جہاں دیدہ (الشیخ) کو تمدن معاشرے پر بڑا فخر ہے لیکن نوجوان کو یہ افتخار بے معنی لگتا ہے اور بوڑھے کو فطرت کے حسن کی طرف متوجہ کرتا ہے:

"میدانوں اور جنگلوں میں
زندگی اپنی تمام تر رعنائیوں اور دل فریبیوں
کے ساتھ جلوہ گر ہے!
پہاڑیاں برف کا لبادہ اوڑھے ایستادہ ہیں
اُن کا سکوت،
فطرت کے جاہ و جلال کی علامت ہے!
وادیاں سبزے کی چادر اوڑھے خوابیدہ ہیں
اُن کا سکوت،
فطرت کے پوشیدہ رازوں کا امین ہے!
ندیاں گنگناتی، اٹھلاتی بہہ رہی ہیں
اور اُن کے نغموں میں
فطرت کا تقدس رچا ہوا ہے!
آبشار کے ہونٹوں پہ
نہ ختم ہونے والا نغمہ مچل رہا ہے
اور یہ نغمہ فطرت کے انبساط کی علامت ہے!
وادیوں میں لالہ و یاسمین کی مہک
اُڑی پھرتی ہے

اور پیڑوں پہ طیور،
مسرت کے نغمے الاپ رہے ہیں
اور گھاس کی پتیوں پہ شبنم کے قطرے
سچے موتیوں کی طرح چمک رہے ہیں
کیا شہروں کا حسن،
فطرت کے حسن و جمال کا مثیل ہو سکتا ہے؟

شب کے ماتھے پہ
چاند کا جھومر جھلملا رہا ہے
اور کہکشاں کا دودھیا آنچل،
ستاروں سے جڑا جھلمل جھلمل کر رہا ہے
اور شب کی خاموشیوں میں،
فطرت سرگوشیاں کر رہی ہے
یہ سرگوشیاں مقدس رازوں کی امین ہیں!
شہروں کا مصنوعی اجالا،
کہکشاں کا مثیل ہو سکتا ہے؟

زندگی صرف وادیوں میں ہے
جنگلوں اور بیابانوں میں ہے

اگر زندگی کے شب و روز میرے ہاتھوں میں،
دے دیئے جائیں،
تو میں انہیں جنگلوں میں بکھیر دوں گا
لیکن زندگی نے میرے لیئے وہ راستہ بند کر دیا ہے،
جو جنگل کی طرف جاتا ہے!
فطرت اپنی راہیں تبدیل نہیں کرتی!

اس بلند پایہ منظوم مکالمے کو میں نے نہایت عقیدت اور محبت سے اُردو کا قالب میں ڈھالا ہے اور اس بات کی پُرخلوص کوشش کی ہے کہ جبران کا فلسفیانہ اور پیغمبرانہ لہجہ ہر جگہ برقرار رہے۔ اپنے مقصد میں مَیں کہاں تک کامیاب ہُوا ہوں، اس کا فیصلہ پڑھنے والوں کی صوابدید اور بصیرت پر منحصر ہے۔

اقبال کاردار

حیاتِ ارضی

۱. الشیخ

(پیرِ فرزانہ)

حیاتِ ارضی ایک مے کدہ ہے
اور وقت گویا پیرِ مغاں ہے
کسی کا جام خالی اور کسی کا لب ریز
یہ رضا ہے پیرِ مغاں کی

مے کشوں کی مثال ایسی ہے
سرکش اور وحشیٔ شب دیز
اندھے جذبے اُن پہ سوار
سینے نفرت سے لب ریز

کوئی پے کے بے حس ہو گیا ہے
ہست و نیست میں کھو گیا ہے

کسی نے پا لیا ہے خود کو
کسی نے سب کچھ گنوا دیا ہے

عبادت بھی اک نشّہ ہے
دولت بھی اک خُمر ہے
اِک بوجھ ہے بدن کا
اک "روح" کا ثمر ہے

شُراب سمجھو حیاتِ ارضی
حباب جانو نمازِ ہستی

الفتیٰ

(دیہاتی نوجوان)

مرغزاروں میں
کوئی سُراب ہے اور نہ کوئی اضطراب
یہاں وہی ندیاں
نغمے الاپتی ہوئی بہتی ہیں
جو بادلوں کے پوتر پانیوں سے جنم لیتی ہیں

بے حسی لوگوں کے سینے
دودھ بھری چھاتیوں کی طرح ہے
اور صرف موت کا بے رحم ہاتھ ہی
انہیں تخدیر سے الگ کرتا ہے!

لا، نَے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو
کہ نغمہ شرابِ طہُور ہے
اور نَے کی درد بھری لے
فنا اور بقا سے ماورا ہے۔

الفتیٰ

کوہساروں و سبزہ زاروں میں
کوئی رقیب نہیں،
کوئی بہتان نہیں
یہاں محبت اخفا کے پردوں میں نہیں پلتی
اور رقابت یہاں کہیں نہیں ملتی
یہاں غزال جب چوکڑیاں بھرتے ہوئے آتے ہیں
ایک دوسرے کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیتے ہیں

عقاب انہیں دیکھ کے نفرت سے منہ نہیں پھیرتے
کہ جنگل شرم وحیا کی باطل قدروں سے منزہ ہے

یہاں اظہارِ محبت پہ کوئی تعزیر نہیں
اس لیے کہ محبت حق ہے تقصیر نہیں

امرِ حیران کُن تو یہ ہے
کہ لوگ عقل کا دعویٰ کرتے ہیں
اس لیے کہ عقلِ محض، باعثِ افتخار نہیں۔

محبت

الشیخ

آشفتہ مُو اور چاک گریباں
عاشقِ صادق، طفلِ یزداں
کیفِ جنوں میں رقصاں رقصاں
پاؤں دریدہ، حال پریشاں

اکل و شرب سے اُس کو عداوت
عبدِ محبّت، پسرِ صداقت
سب کے لبوں پہ ایک ہی کلمہ
عبدِ جہالت، ابنِ حماقت

محرومِ محبت، ابنِ نحوست
صیدِ جہالت، عبدِ ضلالت
جُرمِ تکفیرِ عشق جو بھی کرتا ہے
دارِ لعنت پہ روز چڑھتا ہے

لا، نَے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو،
کہ نغمہ بہترین دیوانگی ہے
اور نَے کی درد بھری لے
ہر شے سے زیادہ قرار و ثبات رکھتی ہے۔

محبّت

الشیخ

لوگوں کی محبت
بہت سی شکلوں میں بٹی ہوئی ہے
جن میں اکثر باغ میں اُگی ہوئی
اُس گھاس کی مثال ہیں،
جس میں پھول آتے ہیں نا پھل!

بہت سی محبتیں اُن راحتوں کی مثال ہیں
جو بہت کم میسّر آتی ہیں!
مینش کوشش کے لیے محبت پوشیدہ
افعی کی طرح ہے
جو موقع ملتے ہی ڈس لے گا!

محبت جسم کی اسیر نہیں

جسم اُسے جملۂ لذات میں لے جائے
تو محبت خود کشی کا ارتکاب کر لیتی ہے

گویا وہ اُس شاہ کی طرح ہے
جو زنداں میں بند
حیات سے بے زار ہو
اور اُس کے احباب نے
اُس سے کنارہ کشی کر لی ہو!

الفتی

بیاباں میں کوئی درماندہ نہیں
جو اوجِ محبت پہ پہنچنے کا تمنائی ہو
یہاں جب بیل ڈکارتے ہیں
تو یہ نہیں کہتے کہ یہ محبت آشفتہ سری ہے
لوگوں کی محبت ایک مرض ہے
گوشت اور ہڈیوں سے پیوستہ
جب شباب چپکے سے وداع ہوتا ہے
تو یہ مرض بھی اپنے اصل کی طرف لوٹ جاتا ہے

لا، نے مجھے دے
اور کوئی درد بھرا نغمہ چھیڑ
کہ نغمہ ہی سچی محبت ہے
اور درد بھری لے
ہر خوب رُو اور ہر مہ جبیں سے زیادہ پائدار ہے۔

محبّت

الشیخ

ہم فاتحین کے جاہ و جلال کو بھول جاتے
مگر اہلِ جنوں کو
تا قیامت، یاد رکھتے ہیں!

سکندرِ اعظم کا دل
ایک قتل گاہ کی مثال تھا
لیکن قیس کے دل میں
ایک عالی شان معبد کھڑا ہے۔

سکندرِ اعظم کی فتوحات
رذالت آمیز شکست کے مترادف ہیں۔
اور قیس کی شکست
فتح و نصرت کی معراج ہے۔

محبت ایک غیر مرئی پرندہ ہے
رُوح کی شاخیں اُس کا نشیمن
اُسے وجود میں اسیر کرنا
ایک بے سُود کوشش ہے —

یہ شرابِ طہور کی مثال ہے
ہم اُسے کیف و نشاط کے لیے نہیں
وحی و الہام کے لیے کشید کرتے ہیں

الفتیٰ

سبزہ زاروں میں
ذکرِ عشاق کے سوا
کوئی ذکر نہیں!
وہ جنھوں نے جبر و اقتدار کے پرچم لہرائے
اور اہلِ جہاں پر ظلم کے انگارے برسائے
رقم کیے گئے ہیں نام اُن کے
ملعون مجرموں کی فہرست میں،

اِک جذبۂ آتشیں ہے

محبت ہے نام جس کا
کہنے والوں نے یہ کہا ہے
یہ جذبہ ہی فتحِ مبیں ہے

لا، نئے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو
اہلِ قوت کے ستم کو بھول جا
کہ گلِ یاسمین، خون کا نہیں،
شبنم کا جام ہے

روح اور پیدائش

الشیخ

رُوح کی غایت
خود رُوح کے تہہ در تہہ پردوں میں مستور ہے
جسے صورتیں نمایاں کر سکتی ہیں
اور نہ مظاہر!!

یہ بھی کہا گیا ہے۔
کہ روح کی غایت ارواح ہیں
معراج کمال کو پہنچ کے فنا ہو جاتی ہیں
اور کوئی نقش و نشاں باقی نہیں رہتا!

گویا روحیں وہ پکے ہوئے پھل ہیں
جو ہوا کے جھونکوں کی تاب نہ لا کے
شاخوں سے جُدا ہو جاتے ہیں!

اور یہ بھی کہا گیا ہے
کہ رُوح کی غایت اجسام ہیں
شکست و ریخت کے باعث
جب وہ ریزہ ریزہ ہو جاتیں
تو روح غنودگی سے آزاد ہو جاتی ہے.
اور کوئی اُسے بیدار کرنے پہ قادر نہیں رہتا!

گویا رُوح ایک ہٹتا ہوا سایہ ہے
جو شفاف ندی میں منعکس ہوتا ہے
اور جب ندی کا پانی گدلا ہو
تو یہ اس میں تحلیل ہو جاتا ہے

یہ سب کے سب خیالین میں سے ہیں
کہ جو ہستیِ حیات
رُوح اور جسم کے ساتھ فنا نہیں ہوتا!
یہ ایک غیر مرئی پردہ ہے.
جسے غربی ہوا لپیٹتی ہے
تو شرقی ہوا پھیلا دیتی ہے

الفستی[1]

سبزہ زاروں میں
روح اور جسم میں کوئی تفاوت نہیں
یہاں ہوا میں پانی رچا ہوا ہے
اور شبنم کے موتی
پانی کے لطیف قطرات ہیں
گلوں میں لطیف مہک بسی ہوئی ہے
منجمد خاک میں پھول اُگے ہوئے ہیں
حوروں کا سایہ ما حور ہے
جو وقت کو رات سمجھ کے
سو گیا ہے!

---

[1] ایک درخت کا نام جسے انگلش میں POPOLAR کہتے ہیں

رُوح اور پیدائش

الشیخ

جسم رُوح کے لیے
رحمِ مادر ہے
جہاں وہ حدِ بلوغ تک ٹھہرتی
پھر بلندیوں کی سمت سفر کر جاتی ہے
اور رحمِ مادر
عملِ تخلیق سے دستکش ہو جاتا ہے

گویا روح ایک جنین ہے
اور یومِ مرگ، یومِ پیدائش ہے
اس میں اسقاط کی اذیت ہے
اور نہ دردِ زہ کا عذاب!

بعض لوگ سدا عقیم رہتے ہیں

عجز خمیدہ اور شکستہ کمانوں کی طرح
یہ ناخواندہ ضیافت ہیں
تہی دامن و تہی جیب

وہ جیسے پیڑوں کا پھل نہیں ہیں
کہ پیڑوں کے سوکھ جانے سے
فنا کے آغوش میں سو جاتیں
یہ سبزے کی طرح خاک سے نہیں اُگتیں

اور یہ بھی سن رکھ!
وہ جیسی "مَن و تُو" کو نہیں جانتیں
زمین پر بہت سے پھول ہیں
کہ جن میں خوشبو نہیں ہوتی
اور آسمان پر بہت سے بادل ہیں — کہ جن میں پانی
نہیں ہوتا!

الفتیٰ

جنگل میں کوئی عقیم ہے
اور نہ "دخیل"

زمین کی تہہ میں
ایک بیج ہوتا ہے
جو پودے کے تمام رازوں کا
حافظ و امین ہوتا ہے

قرص العسل ایک رمز ہے
حقول[1] و قفیر[2] کے لیے
عقیم ایک لفظ محض ہے
تحقیر و تذلیل کے لیے

شہد کے چھتے میں ایک رمز ہے
کھیت اور خانۂ مگس کے لیے
"عقیم" ایک لفظ محض ہے
تحقیر و تذلیل کے لیے

۱؎ حقول: کھیت
۲؎ قفیر: شہد کی مکھیوں کا خانہ

لا، نے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو
کہ نغمہ ایک سیّال جسم ہے
اور نے کی فریاد
بدہیئت اور بدنسب سے زیادہ پائیدار ہے۔

علم و عرفان

الشیخ

علم کے بے شمار رستے ہیں!
یہ راستے کہاں سے شروع ہوئے؟
یہ حقیقت ہمارے علم کی دسترس میں ہے!
لیکن یہ راستے کہاں ختم ہوتے ہیں؟
کوئی نہیں جانتا ——— !

راہِ عصر وقت اور تقدیر کی
دسترس میں ہے!
ہم دیکھتے ضرور ہیں
لیکن ہماری بصارت دیوار کے اُس پار نہیں جاسکتی!

بہترین علم اُس خواب کی تمثیل ہے
جو دیکھنے والے کی دسترس میں ہو!

اور جاننے والی وہ ہے جو لوگوں کی تضحیک اور استہزا
کو نظر انداز کرتے ہوئے
جہلاء کے جلوس میں خاموشی سے چلتا رہتا ہے۔

تو سنو! پیغمبر اور رسول اسی طرح نمودار ہوتے ہیں،
کہ اُن کی ہستی تصوراتِ فردا کے لبادے میں
لپٹی ہوتی ہے۔
ماضی کے بوسیدہ چیتھڑوں میں لپٹی ہوئی قوم اُسے
پہچان نہیں پاتی اور اس طرح وہ اُن تحائف اور نعمتوں
سے محروم رہتی ہے جو اُن کے لیے بھیجی گئی
ہوتی ہیں۔
وہ اس زندگی کے لیے اجنبی رہتا ہے
وہ اُن کے بھی لیے اجنبی رہتا ہے
جو اُس پہ تحسین و آفرین کے پھول برساتے ہیں۔
اور اُن کے لیے بھی ـــــ
جو اُس کی روح کو تضحیک و تہمت کے تیروں سے
گھائل کرتے ہیں ـــــ!

اُس کے ہاتھ میں ابدی صداقت کی

مشعلِ فروزاں ہوتی ہے
وہ اس مشعلِ صداقت کو تھامے رہتا ہے۔
ہر چند کہ وہ صداقت کی آگ میں خود جل چکا
ہوتا ہے!

وہ قوی تر ہے
اگرچہ وہ شفیق و حلیم ہی کیوں نہ ہو!
وہ ان سے بعید تر ہے۔
خواہ وہ اس کے قریب ترین ہی کیوں نہ ہوں۔

القتی!

جنگل میں علم ہے نہ جہالت۔
شاخیں جب یہاں جھومتی ہیں
تو یہ نہیں کہتیں کہ یہ "بدعت" ہے
عہدِ نو کے لوگوں کا علم
کھیتوں پر کہر کی مثال ہے
جو ظہورِ خورشید کے ساتھ ہی
فضا میں تحلیل ہو جاتا ہے۔

انصاف

الشیخ

دنیا میں عدل و انصاف کو
اس طرح مجروح کیا گیا ہے
کہ جنات اسے دیکھیں تو
رونے اور چلانے لگیں

اور اگر مُردے
اسے دیکھ پائیں
تو قہقہے برسانے لگیں!
کمزوروں اور غریبوں کے لیے
قانون شکنی کی سزا
موت اور اسیری ہے
لیکن ———
طاقتور اور لیٹروں کے لیے
قانون شکنی کا انعام

تعظیم و تکریم اور دولت و ثروت ہے۔

ایک پھول توڑنے والا
چور اور رذیل ہے
لیکن کھیت پامال کرنے والا
بہادر اور شہہ سوار ہے

جسم کا قاتل دار کا مستحق ہے
لیکن روح کا قاتل کسی کو دکھائی نہیں دیتا!

الفتیٰ

جنگل میں ہم کسی انصاف کو نہیں جانتے
یہاں تعذیب نام کی کوئی لعنت نہیں!

یہاں جب بید کے درخت
زمین پہ اپنے سائے بکھیرتے ہیں.
تو سرو کے پیڑ کبھی
یہ نہیں کہتے، کہ
یہ خدائی قانون اور صداقت

کی خلاف ورزی ہے
انسانی عدل وانصاف
برف کی مانند ہے
آفتاب کی نگاہ پڑتے ہی
شرم سے پگھلنے لگتا ہے۔

لا، نے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو
کہ نغمہ ——
دلوں کا انصاف ہے
اور نے کی فریاد
جرم و تعزیر کے بعد بھی باقی رہے گی!

حق اور عزم

الشیخ

حق، عزم کے ساتھ ہے
روحیں طاقتور
تو سرفراز کی جاتی ہیں۔
اور ضعیف ہوتیں
تو مغلوب اور محکوم بنا دی جاتی ہیں!
سو، اس حقیقت کی تکفیر نہ کر
کہ طاقتور بازوؤں کے مقابلے میں
پرُ عزم روح قویّ تر ہے!

تختِ شاہی پر وہی متمکن ہوتے ہیں
جن کی روحیں توانا اور پرُ عزم ہوتی ہیں۔
اور وہ لوگ ـــــــ
ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔

کہ جن کے جسم مضبوط
مگر روحیں پژمردہ ہوتی ہیں۔

سنو! شیر کے کچھار ہیں
محض ایک بُو ہوتی ہے
جو لومڑی کے بچوں کو اپنے پاس
پھٹکنے نہیں دیتی!
چاہے شیر کچھار میں ہوں
یا جنگل میں شکار کی گھات میں!

اور یہ بھی سُن رکھ!
کہ بعض پرندے آزاد فضا میں
پرواز تو کرتے ہیں۔
مگر اُس عقاب سے خائف رہتے ہیں۔
جو زمین پہ مرتے وقت بھی
نسلی تفخر میں اپنی گردن فرازہ رکھتا ہے!

الفتیٰ

مرغزاروں میں نہ کوئی قوّتی ہے

نہ کوئی ضعیف!
یہاں جب شیر دھاڑتے ہیں
تو کسی پہ دہشت طاری نہیں ہوتی!

انسان کا عزم،
فکر کی سطح پہ تیرتے ہوئے سائے کی طرح ہے۔
اور لوگوں کے حقوق
خزاں زدہ پتوں کی طرح فنا ہو جاتے ہیں!

لا، نَے مجھے دے
اور نغمہ سرائی کر
کہ نغمہ روح کے لیے عزم ہے
اور نَے کی فریاد
نور و ظلمت سے ماورا ہے۔

ذہانت

الشیخ

ذہانت ایک ملمع سازی ہے
سب سے زیادہ نفرت انگیز ذہانت
اُن لوگوں کی ہے۔
جو تقلید اور نقالی میں ماہر ہوتے ہیں۔

بعض ایسی صفات پر نازاں ہوتے ہیں
جن سے وہ قبر تک ناآشنا رہتے ہیں!
ایسی ذہانت اُن کے لیے
نفع رساں ہے نہ ضرر رساں

کوئی ازل کا کور چشم ہے۔
اور اُن فرشتوں کی دید کا دعویٰ کرتا ہے
جن کے لہجے میں نغموں کی حلاوت

اور لفظوں میں شان و شوکت ہے!
اور جن کی صورتیں
سُورج کی کرنوں کی طرح شفاف ہیں!

کوئی تکبّر گزیدہ ہے
جو اپنے حقیر وجود کو
آسمان کا مثیل ٹھہراتا ہے۔
اور اپنے بے ثبات سائے کو
ماہِ درخشاں کا نام دیتا ہے۔

الفتیٰ

مرغزاروں میں کوئی ذہن نہیں
جس کی ذہانت ضعیف کی ضعیفی ہو!
یہاں صبا دھیرے دھیرے بہتی ہے
اس میں کسی مریض کی آہستہ خرامی نہیں ہوتی۔
یہاں دریاؤں کی روانی میں
نغموں ایسی حلاوت ہے
آزاد درباؤں میں
ایک پرُ جلال قوت ہے۔

جو اٹل چٹانوں کو بہا لے جاتی ہے۔

لا، نے مجھے دے
اور نغمہ سرا ہو
کہ نغمہ بہترین ذہانت ہے
اور نَے کی درد بھری لَے
لطیف و کثیف سے زیادہ قائم و دائم ہے۔

احسان اور منصب

الشیخ

احسان کرتے وقت نفس بے لوث اور دل آزاد ہونا چاہیئے،
کہ بدی فنا کے بعد بھی انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتی۔

وقت کا بے رحم ہاتھ، بہادر اور بے ایمان کو ایک ساتھ
دبوچتا ہے اور فنا کی انگلیاں دونوں کی ہڈیوں کو ریزہ ریزہ
کر ڈالتی ہیں!

سو یہ مت کہو کہ فلاں ایک بے نظیر عالم
اور کوئی پڑ جلال رہ نما ہے!
اور بہترین ہیں وہ لوگ جو بھیڑوں کی طرح گڈریے کی
آواز پہ چلتے ہیں!

الفتیٰ

سبزہ زاروں میں کوئی گڈریا نہیں
اور کوئی ریوڑ نہیں!
اور یہاں بھیڑیں رنگ و نسل کی بناء پر الگ الگ
نہیں کی جاتیں!

یہاں بہار اور خزاں میں رقابت نہیں۔
کہ ہر ایک کی اپنی اپنی صفات ہیں!

لا، نَے مجھے دے اور نغمہ زن ہو
کہ نغمہ عقل کا پاسباں ہے۔
اور نَے کی فریاد
انسان کے تراشیدہ مراتب سے زیادہ پائیدار ہے!

مذہب

الشیخ

مذہب گویا کشتِ اغراض ہے۔
جسے اغراض کے تحت بویا اور سینچا جاتا ہے۔
بعض اسے حصولِ جنت کی اُمید میں پروان چڑھاتے ہیں۔
اور بعض عذابِ جہنم کے ڈر سے!
دونوں گروہ فریب خوردہ ہیں۔
اگر یومِ حساب کا خوف نہ ہوتا۔
لوگ خدا کی پرستش کبھی نہ کرتے!
اور ثواب کی خواہش نہ ہوتی
تو وہ کفر ہی کی راہ اختیار کرتے!
گویا مذہب اُن کی تاجرانہ زندگی کا محور ہے
اس سے غفلت خسارے کے مترادف،
اور وابستگی منفعت کی ضامن ہے!

الفتیؔ

بیاباں میں ضعیف الاعتقادی ہے،
اور نہ پُر اسرار کُفر!
نغمہ سرا طیوُر،
صداقت، سعادت اور ملامت کا پرچار نہیں کرتے
لوگوں کے عقائد شام کے سائے کی طرح جنم لیتے ہیں
اور شب کے اندھیرے میں معدوم ہو جاتے ہیں۔
طٰہٰؐ[1] اور مسیحؑ کے بعد کوئی مذہب طلوع نہیں ہُوا۔
کہ جس سے فروزاں ہُوا ہو سارا جہاں

لا، نَے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو
کہ نغمہ بہترین عبادت ہے۔
اور نَے کی فریاد
آج اور کل کی اسیر نہیں!

---

[1] طٰہٰ سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

غم وحیات

الشیخ

زندگی محض ایک نیند ہے
نفس کے پُر فریب خوابوں میں لپٹی ہوئی!
حزن وملال ایک پردہ ہے کہ جس میں نفس اپنے
اسرار کو چھپا دیتا ہے!

عیش وطرب ایک دبیز غلاف ہے۔
جس میں نفس اپنے اسرار کو مکتوم رکھتا ہے۔

الفتیٰ

مرغزاروں میں کوئی فکر
اور کوئی اضطراب نہیں!
یہاں شام وسحر نسیم پیڑوں سے اٹھکیلیاں کرتی ہے۔
شفقت بھرے لمس کے ساتھ!

نفس کا غم ایک موہوم سایہ ہے
جسے ثبات نہیں!
اور مسرت شبنم کا ایک قطرہ ہے
جسے دوام نہیں!

لا ہاں نَے مجھے دے
اور نغمہ سرا ہو
کہ رنج و غم نَے بن کے فضا میں تحلیل ہو جائے
اور نَے کی فریاد
امروز و فردا کی اسیر نہیں!

فنا و بقا

الشیخ

مماتِ ارضی
ابن الارض کے لیے
فنا کی تمثیل
لیکن صاحبِ ایثر کے لیے
فتح و نصرت کا آغاز ہے

جو کوئی اپنے خوابوں میں
بیداری سے ہم آغوش ہوتا ہے
وہ ابدیت کا ہم سفر ہے

تمام شب نیند میں غافل
فنا کی چکی میں پس رہا ہے
اور اپنی بیداری میں خوابیدہ
شکستوں کا ہم سفر ہے

موت اِک بحرِ بیکراں ہے
محض لطیف روحیں عبور کرتی ہیں
اور بوجھل ہیں جو گناہ سے
پاؤں رکھتے ہی ڈوب جاتی ہیں

الفتیٰ

مرغزاروں میں
نہ موت ہے نہ قبریں
فصلِ بہار وداع ہوتی ہے
تو اس کے جانے سے کیف و سرور فنا نہیں ہوتا!

خوفِ مرگ ایک وہم ہے
جو عارفوں کی میراث ہے
جو گزار لیتا ہے اک فصلِ بہار
سمیٹ لیتا ہے تاقیامت حیات!

لا ، نَے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو

کہ نغمہ ابدیت کا راز ہے
اور نَے کی درد بھری لَے
فنائے وجود کے بعد بھی باقی رہے گی!

نشاط و رجا

الشیلخ

مسرت ایک اساطیری وجود ہے
جو شنیدہ ہے نہ کہ دیدہ!
اگر یہ مجسم ہو کے آشکارہ ہو جائے
تو پانے والا جلد ہی اُکتا جائے

اُس ندی کی طرح
جو فرازِ کوہ سے اچھلتی کودتی
جب نشیب میں داخل ہوتی ہے
تو بے کیف سکوت میں ڈوب جاتی ہے

انسان کو مسرور رکھتی ہے
رفعتوں کے حصول کی تمنا!
گوہرِ مقصود ہاتھ آتے ہی

آتشِ شوق سرد پڑ جاتی ہے
اور پھر نئی عظمتوں کی تسخیر کا شوق
اُسے اضطراب کی چتا میں ڈال دیتا ہے

اگر تم کسی ایسے خوش بخت کو دیکھو
کہ دوسرے انسانوں کے برعکس
اپنی مسرت اور سعادت پہ قانع ہو
تو ایسے صاحبِ نروان کے لیے دُعا کرو
کہ اُس کی ابدی مسرت، اضطراب سے محفوظ رہے!

القنوطیٰ

بیاباں رِجاء سے خاطر ہیں
قنوطیت یہاں معدوم ہے!
جنگل اجزاء کی تمنا کیوں کریں
کہ انہیں گُل کی رفاقت میسّر ہے

اور وہ رِجا کی طرف کیوں لپکیں
جب کہ وہ خود امّید و رِجا ہیں
امّید ایک ناقابلِ علاج عارضہ ہے

دولت، شہرت اور عظمت کی طرح!

لا، اُسے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو، کہ
نغمہ شعلہ بھی ہے
اور نورُ بھی !
اور اُسے کی درد بھری لَے
بے پایاں اشتیاق ہے
جو سست الوجود کی رفیق نہیں ہے۔

لطف وکرم

الشیلنخ

بعض لوگوں کا لطف وکرم
ایسے تابندہ صدف کی مثال ہے
جس کی سطح ریشم ایسی ملائم
لیکن جس کا ضمیر[1] گوہر سے خاطر ہوتا ہے

ایسے لوگوں کے دو رُخ ہوتے ہیں
ایک میدے کی طرح ملائم
دوسرا پتھر کی طرح سخت

اُن کا لطف وکرم
منافقت میں لپٹی ہوئی
عبادت کی مثال ہے

---

[1] ضمیر کو یہاں روح کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے۔ مترجم

شفقت، ضعیفوں اور بے کسوں کے لیے
ایک ڈھال کی طرح ہے!
جس سے وہ وقتِ ضرورت کام لیتا ہے
اگر تو کسی شفیق طاقت ور سے ملے
تو ایسے پر شکوہ انسان کی ستائش کر
کہ تو اُس کے پاس
اُن آنکھوں کے لیے روشنی پائے گا
جو اپنی بصارت سے محروم ہو چکی ہیں!

الفتیٰ

مرغزاروں میں
کوئی شفیق و رفیق نہیں
کہ جس کی شفقت بزدلوں کی شفقت ہو
یہاں بان بزدلوں کی طرح نہیں لرزتا
اور نرسل کی شاخیں
شاہ بلوط کی شاخوں کے ساتھ لہلہاتی ہیں!

اور جب طاؤس کو
ارغوانی خلعت پہنائی جاتی ہے۔

آزادی

الشیخ

زمین پر جو آزاد ہے۔
وہ غیر شعوری طور پر اپنی خواہشات سے اپنے لیے
ایک زنداں تعمیر کر لیتا ہے،
اور اس میں محبوس ہو کے رہ جاتا ہے۔

اگر وہ اپنے خونی رشتوں سے نجات پاتا ہے۔
تو عشق کے دامِ خیال اور نشاطِ آفریں لمس
میں گرفتار ہو کے رہ جاتا ہے!

وہ ذہین و فہیم ہے۔
پر اپنی درشتی اور سختی کے سبب ناشکرا ہے۔
حتیٰ کہ حق کے معاملے میں بھی۔
وہ آزاد ہے۔

تو وہ لباس کی رعنائی
اور اپنے حسن و جمال کی فتنہ گری سے بے خبر رہتا ہے۔

لا، مُنے مجھے دے
اور کوئی دلنواز نغمہ چھیڑ
کہ نغمہ بردباروں کے لیے سکون بخش ہے!
اور نَے کی فریاد، قوی اور ضعیف سے زیادہ ثبات
رکھتی ہے!

اپنی تعجیل کے سبب ہوتا ہے۔
اگرچہ وہ جاودانی عظمتوں کی معراج پہ ہی کیوں نہ ہو!

الفتی

سبزہ زاروں میں کوئی آزاد ہے۔
اور نہ کوئی مطیع و غلام!
عزّ و شرف موہوم پیکر ہیں
سطحِ آب پر تیرتے ہوتے حباب کی مانند!

بادام کا پیڑ جب اپنے شگوفے
خشک گھاس پہ بکھیرتا ہے۔
تو اپنے عزّ و شرف کا اظہار نہیں کرتا
اُسے اس سے بھی کوئی غرض نہیں ہوتی
کہ جواب میں گھاس اُسے
مؤدبانہ سلام پیش کرے گی!
لا، نَے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو!
کہ نغمہ حقیقی عظمت ہے!
اور نَے کی فریاد بھری لَے
نجیب و رذیل سے زیادہ پائیدار ہے!

میزانِ قیتا

لا، سَنے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو!
اور وہ سب کچھ، لوحِ حافظہ سے محو کر دے
جو میرے اور تیرے درمیان
کہا گیا ہے ـــــ سُنا گیا ہے۔

الفاظ کیا ہیں ؟
قوسِ قزح میں سجے ہوئے دُھول کے ذرّات
گویا، تکلّم محض ایک غبار ہے۔
جو قلب و نفس سے اُٹھتا،
اور فضا میں پھیل جاتا ہے۔
لفظوں کی قوسِ قزح
عدم کی آغوش میں سو چکی ہے۔
اب، تو مجھے اپنے لطف و کرم سے
مستفید کر!

وسیع و فراخ حویلیوں کو
خیر باد کہہ کے تُو نے
سبزہ زاروں کو گلے کیوں نہیں لگایا ؟
گنگناتی ندیوں کے ساتھ
کیوں نہیں بھاگا ؟
اور فرازِ کوہ پہ کیوں نہیں پہنچا ؟

مرغزاروں میں ہم خوشبو سے غسل کرتے
اور نور کے آنچل سے
اپنے بدن پونچھتے ہیں
مشروبِ سحر،
ایثر کے پیالوں سے پیتے ہیں
تُو ان سعادتوں سے گریزاں رہا تو کیوں ؟

غروبِ آفتاب کے وقت
انگوروں کی بیلوں تلے

اور رس بھرے منڈھے خوشبوں تلے
سبزے کے فرش پہ لیٹ کے

زندگی سے لطف اندوز ہونا
کتنی قابلِ رشک نعمت ہے
اور تو، اے پیرِ فرزانہ

ان نعمتوں سے محروم رہا تو کیوں؟

سبزے کے مخملیں فرش پر
آکاش کی نیلی چادر تان کے
دیروز و فردا کو بھول کے

خواب کی دیوی سے ہم آغوش کیوں نہیں ہُوا؟

شب کا سکوت ایک بحرِ متلاطم ہے
اور اس کی موج تیری سماعت میں ہے
شب کے سینے میں ایک دل ہے
جو تیری سیج میں مضطرب ہے

لا، نَے مجھے دے
اور نغمہ زن ہو

اور درد و درماں کو بھول جا
انسانوں کی مثال
اُن سطور کی سی ہے۔
جو سطحِ آب پر رقم کی گئی ہیں،

مجھے اس حقیقت سے
مستفید کر ـــــــــــ
کیا تُو آرزو مند نہیں ہے
حیاتِ سکوں آفریں کا
اور کیا تیری رضا نہیں ہے
کہ حسبِ منشا گزارے ہستی ؟

نحوست بھری زندگی سے
ہمیشہ کے لیے کنارہ کش ہو جا
مکر و فریب اور نفاق و فساد
سے لب ریز معاشرے کو خیر باد کہہ دے
ہنگام و ازدہام
اور احتجاج و عناد کی دنیا کو ٹھکرا کے
یہاں چلا آ کہ جہاں مہذب معاشرے کی

کوئی لعنت اور کوئی غلاظت نہیں ہے۔

عروسِ فطرت تمام رعنائیوں کے ساتھ
تیری آمد کی منتظر ہے
تیری آمد مبارک وسعید
سمجھی جائے گی ——
اور یاد رکھ
کہ طفلِ کوہسار ہی طفلِ یزداں ہے!

تمہارے لوگوں کی زندگی
چھچھوندر کے بِل کی طرح تاریک
اور تارِ عنکبوت کی طرح بے ثبات ہے
کیا شکستِ خوردہ زندگی
تحقیر آمیز موت کی مثیل نہیں ہے؟
عجز و خوف کی زندگی
شب و روز کی موت کا نام ہے۔

جوابِ شیخ

سکوں آفریں ایامِ حیات، کوہسار اور حسن آفریں
شرابِ منزّہ، خرد کی امیں

عاشق ہوں میں بھی
ایسی فضا کا
حلاوت سے معمور
لطافت سے مخمور
حیف کہ یہ سب ممکن نہیں
قیدی ہوں مدّت سے دستِ قضا کا!

اغراضِ نفس، ازل سے اسیر
غلامِ حقیر، کہ عالی امیر
قسمت کے معبد میں سجدہ نشیں
وہم کے پجاری، محرومِ یقیں
قباتے ضعیفی میں لپٹے ہوئے

قناعت کے حجرے میں سمٹے ہوئے
اچھے، بُرے دن گزر جائیں گے
وقتِ معیّن پہ مر جائیں گے

دُوسرا حِصّہ

تمثیلات

ورقِ بے داغ

کاغذ کے ایک سفید ورق نے کہا:

"وقتِ صنعت میرا وجود بے داغ تھا۔ اور میں تا ابد بے داغ رہنا ہی پسند کروں گا۔ فنا کی راکھ میں تبدیل ہو جانا، داغ داری سے بدرجہا سعید ہے ایسا ہی سے قرب و لمس کو میں پسند نہیں کرتا!"

ورقِ بے داغ کی یہ بات سُن کے، سیاہی بھری دوات اپنے قلبِ اسود میں مسکرا دی، لیکن کاغذ کے قریب جانے کی جرأت نہ کی!

مُرغِ بادنُما

ایک روز مرغِ بادنُما نے ہُوا سے التجا کی :

" تم ہمیشہ ایک ہی سمت میں اور ایک ہی رفتار سے رواں دواں رہتی ہو، از راہِ کرم اپنا رُخ بدلو اور کبھی تو میری ذات کو پُرسکون رہنے دیا کرو! تمہاری حرکتِ پیہم، میری خداداد استقامت کو پریشان کر دیتی ہے!

لیکن ہوا خاموش رہی، اور فضا میں ایک قہقہہ کی بازگشت دیر تک سنائی دیتی رہی۔

دُوسرا سمندر

ایک مچھلی نے دوسری مچھلی سے کہا:

"ہمارے اس سمندر کے اوپر ایک اور سمندر ہے جس میں دیگر مخلوقات بھی سانس لے رہی ہیں اور اُن کی زندگی ہماری زندگی کی مثیل ہے!"

اس پر دوسری مچھلی نے کہا:

"تمہارے ذہن میں عنکبوتِ وہم نے جال بُن رکھا ہے اس لئے تمہیں حقائق کا ادراک نہیں ہے۔ کیا تم اتنا بھی نہیں جانتی ہو کہ جو شئے ہمارے سمندر سے ایک انگشت بھر پرے ہٹ جاتی ہے۔ وہ ایک ساعت بھی زندہ نہیں رہتی۔ مجھے بتاؤ کہ تمہارے پاس اس حقیقت کا کیا ثبوت ہے کہ اس سمندر سے پرے بھی کوئی دوسرا سمندر ہے اور ہمارے سمندر کی طرح حیات سے معمور ہے؟"

انسان اور گدھ

توقف!

ذرا سا توقف!

اے رفیق مہرباں، ذرا سا رُک جا!

میری روح پرَ سمیٹے پرواز کے لیے تیار کھڑی ہے۔

اُسے آخری بار جسم سے بغل گیر ہو لینے دو،

اُس کے جاتے ہی میرا یہ پرُ گوشت بدن تمہارے تصرّف میں ہوگا!

میں اپنے اس جسمِ فانی کو تمہارے سپرد کر دوں گا، کہ جس کا درد و کرب میرے

اندر منجمد ہو چکا ہے!

اور جس کی دید تمہیں مضطرب کیے دیتی ہے!

میں تمہیں آتشِ صبر میں نہیں جلانا چاہتا!

لیکن یہ زنجیرِ ہستی

گرچہ سانسوں کی بنی ہوئی ہے۔

نازک ہے، خیال سے زیادہ

تاہم مشکل سے ٹوٹتی ہے۔

اور خواہشِ مرگ۔

قوّی تر ہے ہر ایک شے سے
لیکن ضعیف تر ہے اُمیّدِ لقا سے!
معاف کرنا میرے رفیق
میں بہت پیچھے رہ گیا ہوں۔
اور یہ میری یاد ہے
جو میری روح کو "وداع" سے روکے ہوئے ہے۔
کاروانِ ایّامِ رفتہ
عکسِ شبابِ رفتہ
خوابِ حیاتِ رفتہ
ایک چہرہ
حیا سے تاباں
فنا سے لرزاں
آنسوؤں کے موتی ٹوٹ رہے ہیں۔
درد کے چشمے پھوٹ رہے ہیں
میری آنکھیں خواب سے بوجھل
بادل جیسے جل سے بوجھل
ایسے میں بھی سو نہیں سکتا
بحرِ فنا میں کھو نہیں سکتا
ایک آواز ——————

شہد سے میٹھی
گیت سے شیریں
اپنی سمت کھینچ رہی ہے
کانوں میں رس گھول رہی ہے
ایک ہاتھ ——
پھول سے کومل
جل سے ترمل
ہاتھ کو میرے چوم رہا ہے

مجھے معاف کرنا
رفیقِ من!
نہیں انتظار کی اذیت
برداشت کرنا پڑی ہے
لو، اب تمام ہو گیا ہے یہ قصّہ
سب نے تجھ کو چھوڑ دیا ہے
رشتہ ناتا توڑ لیا ہے
چہرہ
آواز
اور —— ہاتھ

دھکڑا، جو انہیں یہاں لایا تھا
وُہ کب کا چھٹ چکا ہے
عُقدہ وا ہو گیا ہے
سانس کی ڈوری ٹوٹ چکی ہے
اور وہ لاشئے
جو اکل و شرب سے ماورا ہے
وہ واپس لے لی گئی ہے !
قریب آؤ !
اور قریب آؤ !
میرے بھوک کے رفیق
کھانا چُنا جا چکا ہے
اور یہ تقریب محبت کی علامت ہے!
آؤ، اور یہاں اپنی منقار گاڑ دو !
میرے بائیں پہلو میں!
اور اس طائرِ ضعیف کو قفس سے آزاد کرا دو !
کہ جس کے پَر آئندہ کبھی نہیں پھڑ پھڑائیں گے۔
میری خواہش ہے،
کہ یہ بھی تمہاری رفاقت میں
سُوئے فلک پرواز کر جائے!

آجاؤ! میرے رفیق!

ہاں ہاں آجاؤ!

آج شب تم میرے مہمان ہو

اور میں تمہارا میزبان ہوں!

دانش مند کُتّا

ایک روز ایک دانش مند کتا، بلیوں کی ایک ٹولی کے پاس سے گزرا۔ جب وہ اُن کے بالکل قریب پہنچا۔ تو یہ دیکھ کے بے حد متعجب ہوا کہ وہ سب اُس کی آمد سے بے نیاز ہو کے بیٹھی رہی ہیں۔ وہ خاموشی سے اِستادہ اُن کے متعلق غور و فکر کرتا رہا۔ اپنے نظر انداز کئے جانے پہ اُسے بڑی اہانت محسوس ہو رہی تھی۔

وہ اُن پہ نظریں جمائے کچھ سوچ رہا تھا کہ اتنے میں ایک فربہ اندام بلّی کھڑی ہوئی۔ اُس کے چہرے پہ جلال و تمکنت کے آثار نمایاں تھے۔

وہ دوسری بلیّوں سے یوں مخاطب ہوئی:

"اے میری دین دار بہنو! دعا مانگو! اور یقین جانو کہ اگر تم نے خلوصِ نیت اور جوشِ ایمان سے دعا مانگی تو اسے شرفِ قبولیت ضرور حاصل ہوگا اور تمہاری دعاؤں کے جواب میں اسی ساعت چوہوں کی بارش ہونے لگے گی!"

دانش مند کُتّے نے اُس کا یہ فصیح و بلیغ وعظ سُنا تو اُس کے ہونٹوں پہ ایک تحقیر آمیز تبسم پھیل گیا ——— اور پھر وہ یہ کہتا ہوا واپس چل دیا:

"کس قدر جاہل ہیں یہ بلیاں، اور کتنی اندھی ہیں ان کی بصیرتیں! اور کتابوں میں مرقوم حقائق سے کتنی بے بہرہ ہیں یہ؟ کیا یہ

مرقوم نہیں ہے، اور کیا میں نے خود نہیں پڑھا ہے ——— ؟
اور میرے اجداد نے مجھے نہیں بتایا کہ مناجات اور دعاؤں
کے مستجاب ہونے پر آسمان سے چوہے نہیں بلکہ ہڈیاں
برستی ہیں۔"

انار کا دل

ایک بار میں انار کے دل میں سکونت پذیر ہوا۔ میرے نزدیک وہ بہترین گوشۂ عافیت تھا۔ لیکن چند ہی روز بعد انار کے دانوں میں ایک بحث چھڑ گئی۔ میں بھی اس پُرشعور مباحثے کو بہت غور سے سُنا کیا۔

ایک دانہ کہہ رہا تھا:

"آنے والے دنوں میں ایک تناور درخت بن جاؤں گا کہ ہوائیں جس کی شاخوں کے ساز پہ مدُھر گیت گائیں گی، اور آفتاب کی شعاعیں، جس کے پتوں پر مسرت بھرا رقص کریں گی ـــ اور موسموں کے ساتھ ساتھ میں حسن اور طاقت ور ہوتا جاؤں گا ـــ"

اس کے جواب میں دوسرے دانے کی آواز آئی:

"تم انتہائی احمق ہو، میرے رفیق۔ عہدِ طفولیت میں، میں بھی ایسے ہی خواب دیکھا کرتا تھا۔ لیکن جب میں ہر شے کو دیکھ بھال کے، اس کی حدود متعیّن کرنے پر قادر ہو گیا تو مجھ پہ یہ راز آشکار ہوا کہ میری تمام امیدیں باطل تھیں۔"

اس کے بعد تیسرے دانے کی باری آئی:

"ہم سب کے اندر مجھے تو کوئی ایسی بات دکھائی نہیں دیتی جو کسی درخشاں مستقبل کی نوید دیتی ہو ـــ"

تب چوتھے دانہ یوں گویا ہُوا:

"اگر زندگی ہمیں کسی اعلیٰ اور تابندہ مستقبل تک نہیں پہنچاتی تو پھر ایسی زندگی سے کیا حاصل ——؟"

اب پانچویں دانے نے گوہر افشانی کی:

"جب ہمیں یہی نہیں معلوم کہ آج ہماری کیا حقیقت ہے تو اس پر سر کھپائی کیوں کریں کہ کل ہم کیا بنیں گے؟"

اس پر چھٹے دانے نے اپنی دانش کا اظہار کیا:

"ہمارا حال ہی ہمارا مستقبل ہے —"

ساتویں دانے نے بڑ ہانکی:

"میرے تصوّر میں آنے والے دور کی واضح اور روشن تصویر ہے۔ لیکن میں اسے بیان کرنے پہ قادر نہیں ہوں —"

اس کے بعد آٹھواں دانہ بولا، پھر نواں، پھر دسواں۔ اور حتیٰ کہ سبھی دانے بولنے لگے اور اس ہنگامۂ قیل و قال میں مَیں کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

میں نے اُسی روز انار کے دل کو خیر آباد کہا اور ایک "بہی" میں آ کے رہنے لگا۔ اس میں بہت کم دانے ہیں مگر سکون و خاموشی سے رہتے ہیں۔

انجم شناس

• ایک روز میں اپنے ایک دوست کے ہمراہ کہیں جا رہا تھا۔ جب ہم ہیکل کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ ایک کور چشم ہیکل کی دیوار سے لگا بیٹھا ہے میرے رفیق نے مجھ سے کہا:

"یہ ہماری قوم کا سب سے دانش ور شخص ہے۔"

میں یہ سُن کے اندھے کے پاس گیا اور سلام کرنے کے بعد اُس کے پہلو میں بیٹھ گیا۔ پہلے تو میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتا رہا، پھر سوال کیا:

"حضور، آپ کی بصارت کب سے زائل ہے؟"

اندھے نے جواب دیا:

"میں پیدائشی اندھا ہوں بیٹے!"

میں نے پھر پوچھا:

"آپ فلسفے میں کس صنف کے مقلّد ہیں؟"

اُس نے جواب دیا:

"میں انجم شناس اور ماہر فلکیات ہوں۔"

پھر اُس نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پہ رکھے اور سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے بولا:

"میں آفتاب، مہتاب اور کہکشاں کی چال دیکھتا رہتا ہوں ——"

لذّتِ نَو

گزشتہ شب میں نے ایک نئی لذّت دریافت کی!

اور جب میں اس سے پہلی بار لذّت اندوز ہُوا تو اسی دم ابلیس اور ایک فرشتہ میرے دروازے پہ آن کھڑے ہوئے، اور میری لذّت کے بارے میں ایک دوسرے سے چیخ چیخ کے بحث کرنے لگے۔

اُن میں سے ایک کہہ رہا تھا:

"یہ ایک مرگ آفریں گناہ ہے!"

اور دوسرا بلند آواز میں اس کی تردید کر رہا تھا:

"تم سراسر غلطی پہ ہو میرے بھائی! یہ ایک فضیلت ہے۔ جو سعادت مندوں کو نصیب ہوتی ہے!"

دو قیدی

میرے ابا کے باغ میں دو قفس تھے۔
ایک میں شیر تھا، جسے میرے ابا نینوا کے جنگلوں سے پکڑ کے لائے تھے۔
اور دوسرے میں ایک بولنے والی مینا جو نغمہ سرائی سے کبھی نہیں تھکتی تھی۔
مینا ہر روز صبح ہوتے ہی شیر کے پاس آتی اور اسے سلام کرتے ہوئے کہتی:
"میرے اسیر بھائی، صبح بخیر!"

ماں اور بیٹی

میرے شہر میں دو عورتیں رہتی تھیں۔ لوگ انہیں ماں، بیٹی کے نام سے پکارتے تھے ــــــ دونوں ماں بیٹی کو شب کو خواب خرامی[1] کا مرض تھا۔ گرمیوں کی ایک خوشگوار اور سکون بخش رات میں، ماں اور بیٹی حسبِ عادت نیم خوابی کے عالم میں اُٹھیں اور گھر میں پھٹے ہوئے باغ میں چہل قدمی کرنے لگیں۔

اسی حالت میں ماں نے بیٹی سے کہا:

"خدا تجھے مشروبِ موت پلائے، دشمنِ من! تو نے میرے شباب کو دیمک کی طرح چاٹ لیا اور میری زندگی کے کھنڈروں پہ اپنی زندگی کی عمارت استوار کر لی! کاش میں تیرا گلا گھونٹ سکتی اور تو مجھے تباہ کرنے کے لئے زندہ نہ رہتی!"

لڑکی نے جواب دیا:

"اے قابلِ نفرین عورت، اے حریص حرافہ! تو میرے اور میرے آزاد نفس کے درمیان چٹان کی طرح حائل ہے اور چاہتی ہے

---

[1] خواب خرامی: نیند میں چلنے کی بیماری (SLEEPING WALKING) مترجم

کہ میری زندگی تیری بوسیدہ زندگی کی صدائے بازگشت بن جاتے ——— ! کاش میں تجھے قتل کر سکتی ——— !"

اُس وقت مرغ نے اذان سحر دی اور دونوں ماں بیٹی نیند سے بیدار ہوگئیں۔ اور ایک بار پھر باغ میں ٹہلنے لگیں :

ماں نے ممتا بھرے لہجے میں کہا :

" یہ تُو ہے ؟ میری محبوب کبوتری "

اور بیٹی نے شیریں آواز میں جواب دیا :

" ہاں ، امی حضور ، یہ میں ہوں آپ کی قرۃ العین ——— "

ڈھونڈے گا سو پائے گا

پرانے وقتوں میں ایک شخص تھا جس کے پاس بے شمار سوئیاں تھیں۔
ایک روز مریمؑ۔ اُمِ مسیحؑ۔ اُس کے پاس گئیں اور کہا:
"حضورؑ! میرے بیٹے کی چادر پھٹ گئی ہے۔ میں چاہتی ہوں کہ ہیکل جانے سے پہلے اس کی چادر سی دوں — براہِ کرم مجھے ایک سوئی بطور قرض دے دیجئے۔"
اس شخص نے سوئی تو نہ دی، البتہ اپنے خزینہ علم و عرفان سے ایک سنہرا قول "ڈھونڈے گا، سو پائے گا —" عطا فرما دیا کہ اپنے لختِ جگر کو ہیکل جانے سے پہلے پہنچا دیں —

ایک پہیلی

گزشتہ شام میں نے ایک عورت کو ہیکل کی سیڑھیوں پر بیٹھے دیکھا۔
اس کے ساتھ دو مرد بھی بیٹھے تھے۔
ایک اس کی دائیں جانب
اور دوسرا بائیں جانب
اور وہ دونوں اُسے معنی خیز نظروں سے تک رہے تھے۔
مجھے یہ دیکھ کے بہت تعجب ہوا کہ
اس عورت کے دائیں رخسار کا رنگ زرد تھا
اور بایاں رخسار شہابی تھا ـــــــ!

خُدا

میں جب پہلے پہل گویائی پہ قادر ہُوا تو میں نے کوہِ مقدس پہ کھڑے ہو کے
خدا کو پکارا:

"اے پروردگار، میں تیرا غلام ہوں، تیری مخفی مشیت، میری شریعت
ہے اور میں پوری زندگی تیری فرماں برداری کا دم بھرتا رہوں گا"
لیکن خدا نے میری پکار کا کوئی جواب نہ دیا اور ایک طوفان بلاخیز کی طرح
گزر کے میری آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔

ایک ہزار برس کے بعد میں نے دوبارہ مقدس پہاڑ پہ کھڑا ہو کے اپنے
خدا کو پکارا:

"اے خالقِ من! میرا خمیر تیرے ہاتھوں سے مرکب ہے۔ تُو نے
مجھے خاک سے اٹھایا اور اپنی مقدس روح میرے وجود میں پھونکی۔
اور مجھے زندگی کی حرارت اور توانائی سے سرفراز کیا۔ میں ایڑی سے
چوٹی تک تیرا مقروض ہوں آقائے من!"
لیکن خدا نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا اور صد ہزار پھڑپھڑاتے پروں
کی مانند میرے قریب سے گزر گیا۔

ایک ہزار برس کے بعد میں پھر مقدس پہاڑ پہ گیا اور تیسری بار خدا
کے حضور التجا کی:

"اے مقدس باپ! میں تیرا محبوب فرزند ہوں، تُو نے مجھے شفقت و
محبت سے پیدا کیا، اور اب میں محبت اور عقیدت سے تیری
بادشاہت کا وارث بنوں گا۔"

مگر اس مرتبہ بھی خدا نے مجھے اپنے جواب سے محروم رکھا اور پہاڑوں پہ پھیلی ہوئی دُھند کی طرح میری نگاہوں سے غائب ہو گیا۔

ایک ہزار سال کے بعد میں ایک بار پھر مقدّس پہاڑ کی چوٹی پہ گیا اور چوتھی بار خدا کے حضور گزارش کی:

"اے خدائے علیم و بصیر، اے میرے کمال اور میری شفقت،
میں تیرا ماضی ہوں اور تُو میرا مستقبل! میں زمین کی تاریکی میں تیری
جڑیں ہوں اور تُو آسمانوں کی روشنی میں میرا پھول ــ اور ہم دونوں
آفتاب کی روشنی میں ایک ساتھ نمو پاتے ہیں!"

اب خدائے علیم و حکیم نے مجھ پہ توجہ کی۔ وہ مجھ پہ جھکا اور مجھ سے سرگوشی کی۔ ایسے لفظوں میں کہ جن کی رقّت و حلاوت انہیں پگھلائے دیتی تھی۔ خدا نے مجھے اپنی گہرائیوں میں لپیٹ لیا، جس طرح سمندر اپنے اندر گرنے والی ندی کو آسودہ کر لیتا ہے۔

اور جب میں وادیوں اور میدانوں میں اترا تو خدا وہاں بھی موجود تھا۔

بحرِ بے کراں

"کل جو بعد و قرُب سے ماورا ہے۔ اُسی کل کا ذکر ہے کہ میں اور میری روح ارضی آلودگی سے منزّہ ہونے سمندر پہ گئے۔ ساحل پہ پہنچ کے ہم ایسا مقام تلاش کرنے لگے کہ جہاں ہمیں نہاتے ہوئے کوئی نہ دیکھ سکے!

تھوڑی ہی دُور جا کے، ہم نے ایک شخص کو ایک بھُورے رنگ کی چٹان پہ بیٹھے دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں ایک تھیلا ہے اور وہ اس میں سے مٹھیاں بھر بھر کے نمک سمندر میں پھینک رہا ہے۔

میری روح نے کہا:

"یہ شخص قنوطیت پسند ہے، اسے زندگی میں غم کی پرچھائیوں کے سوا کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ برُے شگونوں پہ ایمان رکھنے والے کو ہمارے برہنہ اجسام نہیں دیکھنے چاہئیں
آؤ چلیں، ہم یہاں نہیں نہا سکتے۔"
ہم یہاں سے آگے بڑھ گئے۔
یہاں تک کہ ایک خلیج پہ پہنچے۔

وہاں ہم نے ایک شخص کو ایک سفید چٹان پہ بیٹھے دیکھا۔ اس کے ہاتھ میں جواہرات سے مرصّع ایک مرتبان ہے جس میں سے وہ مصری کی ڈلیاں نکال

نکال کے پانی میں پھینک رہا ہے۔
میری رُوح نے کہا:
"یہ رجائیت پسند ہے اور اُن اشیا کی وقوع پذیری پر یقین
رکھتا ہے جو کبھی وقوع پذیر نہیں ہوتیں ——
ایسے اُمید پرست سے بچو!
ہم اس کے سامنے عریاں نہیں ہو سکتے۔
آؤ چلیں!"
اور ہم وہاں سے بھی چل دیے۔
ہم آگے بڑھتے گئے، حتیٰ کہ دوبارہ ساحل پہ پہنچ گئے۔
وہاں ہم نے ایک ایسے شخص کو کھڑے دیکھا جو مُردہ مچھلیوں کو چُن چُن کے
انہیں دوبارہ سمندر میں پھینک رہا ہے۔
میری رُوح نے کہا:
"آؤ چلیں! یہ نرم دل انسان مُردہ پرست ہے۔ جو موت کو زندگی
کا لباس پہنانے کی کوشش کر رہا ہے! ہم اس کے سامنے
نہیں نہا سکتے!"
اور ہم آگے چل دیے۔
پھر ہم نے ایک شخص کو دیکھا کہ ریت پر اپنے سائے کے خطوط کھینچ
رہا ہے، لہریں آتی ہیں اور ان نقوش کو محو کر جاتی ہیں۔ لیکن وہ اپنے اس
عمل سے دستکش نہیں ہوتا!

میری روح نے کہا:

"یہ صوفی ہے جو اپنے تصوّرات کے بُت تراشتا اور اُن کی
پرستش کرتا ہے۔ اسے بھی ہمارے جسم دیکھنے کی اجازت نہیں۔
آؤ آگے چلیں ـــــ"

وہاں سے چل کے ہم ایک کھاڑی میں گئے۔

دیکھا کہ ایک شخص پانی کی سطح سے جھاگ اتار اتار کے سنگِ اخضر کے
مرتبان میں جمع کر رہا ہے۔

میری رُوح نے کہا:

"یہ خیال پرست ہے۔ اس کی مثال اُس شخص کی سی ہے جو تارِ عنکبوت
سے ریشم سازی کا آرزو مند ہو!
آؤ چلیں، ہم یہاں بھی غسل نہیں کر سکتے!"

ابھی ہم کچھ ہی دُور گئے ہوں گے کہ اچانک ایک آواز ہمارے کانوں
سے ٹکرائی۔ ہم نے سُنا۔

کوئی کہہ رہا تھا ـــــ

یہ سمندر ہے
گہرا سمندر

مہیب اور بے کراں سمندر!

ہم آواز کی سمت میں چلے۔

دیکھا کہ ایک شخص سمندر کی طرف سے منہ پھیرے کھڑا ہے۔ ایک مدوّر

سیپ کانوں سے لگائے اپنی ہی صدائے بازگشت سُن رہا ہے!
میری روح نے کہا:
"آؤ، یہاں سے چل دیں۔
یہ شخص مادہ پرست ہے۔
اور اُن اسرارِ حیات سے مُنہ پھیر کے، کہ جو اس کی عقل سے ماورا ہیں،
بے رس جزئیات میں کھویا ہوا ہے۔ اسے بھی ہمارے برہنہ اجسام
دیکھنے کا کوئی حق نہیں پہنچتا ——"
یہاں سے ہم اور آگے بڑھے۔
دیکھا کہ ایک شخص پتھروں کے درمیان منہ کے بل پڑا ہے اور اپنا سر ریت
میں چھپا رکھا ہے۔
تب میں نے اپنی روح سے کہا:
"آؤ یہاں غسل کریں۔
یہ شخص ہمیں نہیں دیکھ سکے گا۔"
میری روح نے انکار میں سر ہلایا اور بولی:

"ہرگز نہیں!
یہ شخص جسے تم دیکھ رہے ہو ربِّ اکبر کی بدترین مخلوق ہے۔
یہ تکفیر و خباثت کا مجسمہ ہے۔ اس نے غمِ حیات سے بغاوت کی۔
اور زندگی نے اسے مسرتوں سے محروم کر دیا ——"
پھر میری روح مغموم ہو گئی اور تلخ آمیز لہجے میں بولی:

"آؤ ان ساحلوں سے کہیں دور چلیں — یہاں کوئی خلوت گاہ نہیں کہ جہاں ہم سمندر سے ہم آغوش ہو سکیں — میں یہاں اپنے گیسو نہیں سنواروں گی اور اپنی شفاف چھاتیوں سے پردہ نہیں سرکاؤں گی — اور میں یہ بھی نہیں چاہتی کہ یہ درخشاں اُجالا مقدس عریانی کا نظارہ کرے"

اور پھر میں اور میری روح اس سمندر کو چھوڑ کے آگے بڑھ گئے — ایک عمیق اور بے کراں سمندر کی تلاش میں! وہ عمیق اور بے کراں سمندر — جو ارض و سما سے ماورا ہے۔

مومن وکافر

افکار کے قدیم شہر میں دو عالِم رہتے تھے۔ ان میں سے ایک کافر تھا اور ایک مومن۔ دونوں کے درمیان نظریاتی جنگ جاری رہتی اور ہر ایک، دوسرے کے علم و فضل کی تنقیص کرتا، اور ایک دوسرے پر کیچڑ اُچھالتا۔

کہا گیا ہے۔ کہ ایک بار شہر کے چوراہے میں اُن دونوں کا نظریاتی تصادم ہُوا۔ دیکھنے اور سننے والوں کا ہجّم غفیر جمع ہو گیا۔ دونوں عالموں نے اپنے اپنے عقیدت مندوں اور مقلدوں کے سامنے دلائل کے ہتھیار آزمانا شروع کیے۔ دیوتاؤں کے وجود اور عدمِ وجود پہ دیر تک منطق کی جنگ جاری رہی۔ جب دونوں کے دلائل ختم ہو گئے اور منطق تکان کی نیند سو گئی تو وہ دونوں اپنی اپنی راہ چلے گئے۔

اُسی روز شام کو کافر، ہیکل میں داخل ہُوا اور قربان گاہ کے سامنے گھٹنوں کے بل جُھک کے دیوتاؤں سے اپنے تمام گزشتہ گناہوں کی بخشش چاہی اور تکفیر کا لبادہ نذرِ آتش کر دیا۔

اور اُنہی ساعتوں میں مومن نے اپنی کتبِ مقدسہ کو شہر کے چوراہے میں نذرِ آتش کر دیا اور کافرِ زندیق ہو گیا۔

لومڑی

سُورج کی روشنی پھیلتے ہی ایک لومڑی اپنے بھٹ سے باہر آئی اور اپنے طویل سائے کو استعجاب سے دیکھتے ہوئے بولی:

"آج تو میں ایک اُونٹ سے پیٹ بھروں گی ــــــ"

بعدازاں وہ شکار کی تلاش میں چلی گئی اور دن کا پہلا پہر اُس نے اُونٹ کی تلاش میں گزار دیا ــــ

دوپہر کے وقت جب اُس نے اپنے سائے کو دوبارہ دیکھا تو حیرت سے کہنے لگی:

"ارے! میرے لیے تو محض ایک چوہا ہی کافی ہے!"

وہ کونسے نرم و کرخت پوشیدہ ہاتھ ہیں جنہوں نے میری
رُوح کو اپنی گرفت میں لیا ہُوا ہے؟
تلخی آمیز مسرت اور کربِ شیریں کی وہ کونسی مِلی جُلی شراب ہے
جِس سے میرا دِل کربناک ہے؟
وُہ کونسے شہپر ہیں جو ظُلمتِ شب میں میرے سرھانے پر پھڑپھڑاتے
ہیں اور مجھے نہ جانے کِس کے انتظار میں مُنتظر رکھتے ہیں؟
میری نظر میں وہ کربِ پنہاں ہے جو صدائے قہقہہ سے زیادہ
حسین اور مسّرت و بہجت سے زیادہ سرور انگیز ہے.....

——— خلیل جبران